ڈاکٹرسفیراختر

بابائے اُردو مولوی عبدالحق بطور تبصرہ نگار

A book-review is meant i. to introduce the book under review to the readers, and ii. to give its academic evaluation. Mawlawi Abdul Haq, commonly known as Baba-i-Urdu was a prominent reviewer along with his other research interests. The paper focuses to describe his collections of book reviews. It further elaborates the approach of Mawlawi sahib in his reviews and gives some of their glimpses.

بابائے اُردو مولوی عبدالحق (۱۸۷۰-۱۹۶۱ء) سرسیّد مکتبِ فکر کے سرکردہ نثر نگار، دکنیات کے محقق و مرتب، مختلف جرائد اور بالخصوص سہ ماہی ''اُردو'' (مقام اشاعت: بالترتیب اورنگ آباد، دہلی اور کراچی) کے مدیر کی حیثیت سے اردو زبان و ادب کی ترویج ونشو ونما کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے۔ اُن کی دلچسپیوں کا تقاضا تھا کہ اُردو زبان وادب کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب ورسائل پر نظر رکھیں، اور اُن کے سرمایۂ قلم سے اِس کی بھرپور تصدیق ہوتی ہے۔ سہ ماہی ''اُردو'' میں اُن کی ادارت میں جن کتب ورسائل پر تبصرے شائع ہوئے، اُن کی تعداد دواڑھائی ہزار سے کم نہ ہوگی، خود اُن کے اپنے قلم سے ۱۲۴۴ کتب وجرائد پر اُن کی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے طویل یا مختصر تبصرے شائع ہوئے ہیں (۱)۔

مولوی صاحب نے، جب وہ انٹرمیڈیٹ کے درجے میں تھے، مضمون نگاری کا آغاز کردیا تھا۔ ۲۵ اپریل ۱۸۹۲ء کے اخبار ''سرمور گزٹ'' میں اُن کا ایک مضمون ''گندم'' کے زیرِ عنوان شائع ہوا تھا (۲)۔ ۱۸۹۳ء میں اُنھیں طالب علموں کے درمیان مقابلۂ مضمون نویسی میں سب سے عمدہ مضمون لکھنے پر لارڈ لینس ڈون میڈل دیا گیا تھا (۳)۔ اسی زمانۂ طالب علمی میں انھوں نے اپنے ''لائق دوست'' چودھری خوشی محمد ناظر بی-اے (م ۱۹۴۴ء) کی منظوم کاوش ''ہدیۂ ناظر'' پر تبصرہ لکھا تھا (۴)۔

۱۸۹۵ء میں بی-اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد مولوی صاحب نے عملی زندگی میں قدم رکھا، چند برسوں کے ابتدائی تجربات کے بعد ۱۸۹۹ء میں حیدرآباد دکن گئے، جہاں مدرسہ آصفیہ کے ہیڈ ماسٹر کے طور پر ملازمت کا آغاز کیا۔ مدرسہ آصفیہ کے قیام میں کرنل افسرالملک (کمانڈر اِن چیف-حیدرآباد) کا عمل دخل تھا۔ اِس مدرسے میں فوجیوں کے بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ مولوی صاحب کم وبیش بارہ برس مدرسہ آصفیہ کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ افسرالملک کے داماد مدرسہ آصفیہ کے منتظم تھے۔ یوں افسرالملک سے مولوی صاحب کی جان پہچان تھی، اور ایک حد تک تعلقِ خاطر بھی۔ افسرالملک کی سرپرستی میں فوجیوں کے لیے ایک رسالہ ''افسر'' اپریل ۱۸۹۷ء سے شائع ہو رہا تھا (۵)۔ رسالے کے مدیر مولوی محبّ حسین تھے جو افسرالملک کے دفتر میں کام کرتے تھے۔ وہ ''معلم نسواں'' اور ''شفیق'' نام کے دو رسالے خود بھی نکالتے تھے، نیز لکھنے پڑھنے کے اپنے کاموں میں

اتنے مصروف رہتے تھے کہ ''افسر'' کے لیے کماحقہٗ وقت نہیں نکال سکتے تھے، چنانچہ مولوی عبدالحق، ہیڈ ماسٹری کے ساتھ اکتوبر ۱۸۹۹ء سے اِس رسالے کی ادارت بھی کرنے لگے تھے۔ یکم جنوری ۱۹۰۰ء کے شمارے کے سرورق کی پُشت پر قارئینِ رسالہ کو اطلاع دی گئی تھی: ''اِس رسالہ میں ہر قسم کے علمی، اخلاقی، فلسفی اور تمدّنی و فوجی مضامین درج ہوں گے۔ عمدہ کتابوں پر ریویو بھی لکھے جائیں گے۔''

مولوی صاحب نے اپنے علمی و ادبی ذوق سے کام لیتے ہوئے فوجیوں کے رسالے کو معمولی سطح سے اُٹھا کر اعلیٰ درجے کا جریدہ بنا دیا۔ رسالے کی ادارت کے ساتھ اُنھوں نے اِس کے لیے مستقل بالذات مضامین لکھے، اور کتابوں پر تبصرے بھی کیے۔ مولانا حالی کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ''افسر'' میں مولوی عبدالحق کے قلم سے شیخ عبدالقادر کی انگریزی تالیف ''جدید اُردو کے مشہور مصنفین'' اور ''حیاتِ جاوید'' پر تبصرے شائع ہوئے تھے(۶)۔

افسر ۱۹۰۲ء کے شروع میں بند ہو گیا، تاہم اِس میں مولوی عبدالحق کی جو تحریریں شائع ہوئی تھیں، غالباً کہیں یک جا نہیں ہو سکیں۔

جنوری ۱۹۲۱ء میں انجمن ترقی اُردو کے مجلّے ''اُردو'' کا پہلا شمارہ اورنگ آباد سے مولوی صاحب کی ادارت میں شائع ہوا، اور کم و بیش ۱۶ برس ۱۹۳۶ء تک وہیں سے شائع ہو کر برصغیر کے محبانِ اُردو اور محققینِ زبان و ادب کی محفلوں میں پہنچتا رہا۔ بعد ازاں جب انجمن کا دفتر دہلی منتقل ہوا تو ''اُردو'' بھی اِس شہرِ علم و ادب سے شائع ہونے لگا۔ تقسیمِ ہند کے ہنگاموں کے دوران میں اس کی اشاعت معطل ہو گئی، تاہم مولوی صاحب، جب پاکستان منتقل ہوگئے اور انجمن ترقی اردو پاکستان کام کرنے لگی تو اولین ترجیح کے طور پر ''اُردو'' کا اجراء کیا گیا (وسط ۱۹۴۹ء) جو باقاعدگی کے ساتھ مولوی صاحب کی زندگی میں شائع ہوتا رہا۔ کم و بیش چالیس برس کے عرصے میں مولوی صاحب نے ''اُردو'' کی ادارت کی اور اردو زبان کے املا و قواعد سے لے کر تاریخِ زبان و ادب اور جملہ اصنافِ نظم و نثر پر ان گنت وقیع تحریریں شائع کیں۔ اس کے ساتھ انجمن کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیوں اور زبان و ادب کے حوالے سے شائع ہونے والی مطبوعات پر تعارف و تبصرہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولوی صاحب نے ''اُردو'' کے صفحات میں دوسرے اہلِ قلم کے لکھے ہوئے تبصرے بھی شائع کیے، مگر اکثر تبصروں کے آخر میں اُن کے ناموں کے مخففات درج کیے جاتے رہے، اِن میں سے بعض مخففات کا تعین آج خاصا مشکل ہے۔ جن تبصروں پر کوئی نام شائع نہیں ہوا، وہ غالب امکان کے پیشِ نظر مولوی صاحب کے رشحاتِ قلم ہی تھے۔

مولوی صاحب کے منتخب تبصروں کی جمع و ترتیب کی جانب سب سے پہلے محمد تراب علی خان باز نے توجہ دی۔ انھوں نے مولوی صاحب کی باقاعدہ اجازت کے ساتھ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۳ء تک ''اُردو'' میں شائع شدہ تبصروں کا انتخاب ''تنقیداتِ عبدالحق'' کے نام سے مرتب کیا جو ۱۹۳۴ء میں پہلی بار شائع ہوا۷۔ (اگر چہ مرتب نے اِسے ۲۴ تبصروں کا پہلا انتخاب قرار دیا ہے، مگر اصلاً یہ ۲۳ تبصروں کا مجموعہ ہے، اور ایک جنابِ مرتب کی اپنی دو صفحوں کی تحریر ہے۔) ''تنقیداتِ عبدالحق'' میں جن کتابوں پر تبصرے شامل ہیں، اُن کی فہرست مع مصنفین/مرتبین یہ ہے: ''دیوان ولی'' (مرتبہ حیدر ابراہیم سایانی) ''مکاتیب نواب محسن الملک مرحوم و نواب وقار الملک مرحوم'' (مرتبہ محمد امین زبیری) ''سرگزشتِ الفاظ'' (مؤلفہ مولوی احمد دین بی-اے وکیل) ''مکمل شرح دیوانِ غالب'' (مؤلفہ عبدالباری آسی) ''تذکرہ اعجازِ سخن'' (مؤلفہ شیر علی خاں سرخوش) ''تلخیص عروض و قافیہ'' (مؤلفہ سیّد علی حیدر طباطبائی) ''زبان اُردو پر سرسری نظر'' (رشید احمد صدیقی) ''خطوطِ سرسیّد'' (مرتبہ سیّد راس مسعود) ''بانگِ درا'' (محمد اقبال) ''مکاتیب امیر مینائی'' (مرتبہ احسن اللہ خاں ثاقب) ''شعر الہند'' (مؤلفہ عبدالسلام ندوی) ''روح تنقید'' (مؤلفہ سیّد محی الدین قادری زور) ''اصلاح سخن'' (مرتبہ محمد عبدالعلی شوق سندیلوی) ''اُردو شہ پارے

''(مرتبہ سیّد محی الدین قادری زورؔ) ''گنجینۂ تحقیق''(بےخود موہانی) ''ارباب نثر اُردو''(مؤلفہ سیّد محمد بی-اے) ''اکبر الہ آبادی''(مؤلفہ طالب الہ آبادی) ''پنجاب میں اُردو''(مؤلفہ حافظ محمود شیرانی) ''فیضانِ شوق''(منشی احمد علی شوق قدوائی) ''اردولٹریچر''(مؤلفہ ڈاکٹر گریہم بیلی) ''نوراللغات''(مرتبہ نورحسن نیّر) ''جامع اللغات اُردو''(مرتبہ خواجہ عبدالمجید) ''مجموعۂ نغز''(مؤلفہ میر قدرت اللہ قاسم، مرتبہ حافظ محمود شیرانی)

''تنقیداتِ عبدالحق'' کے بعد اِس میں شامل تبصروں میں سے دس کو انجمن ترقی اُردو ہند - دہلی نے ''چند تنقیداتِ عبدالحق'' کے نام سے ۱۹۳۹ء میں شائع کیا، دوسرے لفظوں میں ''چند تنقیداتِ عبدالحق'' محمد تراب علی خاں بازؔ کے مجموعے ''تنقیداتِ عبدالحق'' کا انتخاب ہے(۸)۔

اِن کے بعد دانش محل-لکھنؤ کی جانب سے مولوی صاحب کے تبصروں کا ایک اور مجموعہ ''ادبی تبصرے'' کے نام سے ۱۹۴۷ء میں شائع کیا گیا۔ اِس مجموعے میں کوئی وہ تبصرہ شامل نہیں جو ''تنقیداتِ عبدالحق'' میں آ چکا ہے۔ اِس کے پندرہ تبصروں کی تفصیل یہ ہے: ''روحِ ادب''(جوش ملیح آبادی) ''مرہٹی دتاکوش یعنی مرہٹی انسائیکلوپیڈیا'' ''رسائل عمادالملک''(سیّد حسین بلگرامی) ''روحِ سیاست''(مترجمہ محمد عمرو نورالٰہی) ''حزنِ اختر''(واجد علی شاہ اختر) ''جواہراتِ حالی''(مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی) ''افاداتِ مہدی''(مرتبہ بیگم مہدی افادی) ''انجامِ زندگی''(مصنفہ ضیا بانو) ''دیوان جان صاحب'' ''ناٹک ساگر یعنی دنیائے ڈراما کی تاریخ''(مرتبہ نورالٰہی و محمد عمر) ''ہند: عہدِ اورنگ زیب میں''(مرزا یار جنگ بہادر) ''مکتوباتِ حالی''(مرتبہ خواجہ سجّاد حسین) ''الناظر'' کا انعامی مضمون ''ماورا''(ن-م-راشد) ''آیات ونغمات''(شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی)

تقسیمِ ہندوستان کے بعد ایک اور مجموعہ ''تنقیداتِ عبدالحق'' کے عنوان اور ''ڈاکٹر عبدالحق سیکریٹری انجمن ترقی اُردو کے مقالات کا مجموعہ'' کے ذیلی عنوان کے ساتھ شائع ہوا۹۔ اِس میں کل ۲۷ کتابوں پر مولوی صاحب کے تبصرے اِس طرح یک جا کیے گئے ہیں کہ مجموعے کا دوتہائی حصہ یعنی ۱۸ کتابوں ''سرگزشتِ الفاظ'' ''زبانِ اردو پر سرسری نظر'' ''اردولٹریچر'' ''تذکرہ اعجازِ سخن'' ''پنجاب میں اُردو'' ''اربابِ نثر اُردو'' ''اردو نثر پارے'' ''دیوانِ ولی'' ''فیضانِ شوق'' ''مجموعۂ نغز'' ''مکاتیب امیر مینائی'' ''شرح دیوانِ غالب'' ''خطوطِ سرسیّد'' ''اکبر الہ آبادی'' ''بانگِ درا'' ''روحِ تنقید'' ''نوراللغات'' ''شعرالہند'') پر تبصرے ترتیب بدل کر محمد تراب علی خاں باز کے مجموعے سے، اور باقی (۹) ''دیوان جان صاحب'' ''جواہراتِ حالی'' ''مکتوباتِ حالی'' ''افاداتِ مہدی'' ''روحِ ادب'' ''آیات ونغمات'' ''الناظر'' کا انعامی مضمون ''ماورا'' ''ناٹک ساگر'') دانش محل-لکھنؤ کے شائع کردہ مجموعے سے لے لیے گئے ہیں۔ ''پیش لفظ'' لکھنے والے ایم-اے- قاضی نے (جو ممکن ہے مرتبِ مجموعہ بھی ہوں) ان تبصروں کو ''مولوی صاحب کے تنقیدی مضامین'' کا نام دیا ہے(۱۰)۔ اُن کے نزدیک یہ مضامین ''مختلف رسائل میں شائع ہوکر عوام سے داد حاصل کر چکے ہیں(۱۱)''، حالانکہ یہ سبھی تبصرے سہ ماہی ''اُردو'' میں شائع ہوئے تھے۔

ایم-اے- قاضی کا مرتبہ یہ مجموعہ گو پہلے مجموعے کے کوئی ۲۲ برس بعد شائع ہوا، مگر اسے کوئی خاص شہرت، غالباً دو اسباب سے حاصل نہ ہوئی، اولاً اہلِ علم اِسے محمد تراب علی خاں بازؔ کے مجموعے سے الگ نہ کر سکے، کیوں کہ ناشر یا مرتب نے اِس کے لیے تراب علی خاں بازؔ کے مجموعے ہی کا نام استعمال کیا تھا۔ ثانیاً اِس میں کوئی ایسی تحریر نہ تھی جو پہلے دو مجموعوں سے زائد ہو۔ اِس نسبتاً کم معروف مجموعے کی ترتیب میں اس کے مرتب کا مقصد ''منتشر اجزاء کو ایک جگہ جمع کرکے ایک ادبی خدمت انجام دینا'' تھا، مگر حقیقتاً یہ اجزاء اتنے منتشر نہ تھے جتنا تاثر دیا گیا ہے۔ کاش! جناب مرتب نے صاف صاف لفظوں میں اپنے اخذ و اکتساب کا ذکر کیا ہوتا!

مولوی صاحب کے تبصروں کا پانچواں مجموعہ سیّد جاوید اقبال نے ''بابائے اُردو کے غیر مدوّن تبصرے'' کے نام سے مرتب کیا ہے، جس میں مبیّنہ طور پر مولوی صاحب کے ۲۵ مزید تبصروں کو کتابی شکل میں پیش کیا گیا ہے(۱۲)۔ان کی تفصیل یہ ہے: ''اردوے قدیم'' (مؤلفہ حکیم شمس اللہ قادری) ''غالب'' (مؤلفہ ڈاکٹر سیّد عبداللطیف) ''اردو زبان میں فارسی عنصر'' (مؤلفہ پروفیسر اے۔ برانی کوف) ''فوٹوگرافی'' (مؤلفہ خواجہ محمد شجاع ناموس) ''سعیدی ڈکشنری'' (مرتبہ محمد منیر لکھنوی) ''مختصر تاریخِ ادب اُردو'' (مؤلفہ سیّد اعجاز حسین) [مجلّہ] ''سہیل'' (رشید احمد صدیقی) ''مضامین فلک پیما'' (میاں عبدالعزیز، مرتبہ میاں بشیر احمد) ''نغمۂ عندلیب'' (مؤلفہ لالہ گوبند سنگھ شاہ جہاں آبادی، مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی) ''نظم اُردو'' (سیّد ابوالعلاء حکیم ناطق لکھنوی) ''اردو تنقید پر ایک نظر'' (مؤلفہ پروفیسر کلیم الدین احمد) ''معارف القرآن''، جلد اوّل (مؤلفہ غلام احمد پرویز) ''دستور الفصاحت'' (مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی) ''اردو اور فارسی کے یورپین اور انڈو یورپین شاعر'' (مصنّف رائے بہادر رام بابو سکسینہ) ''علی گڑھ میگزین''، غالب نمبر (مرتبہ مختار الدین احمد آرزو) ''تحقیقی نوادر'' (مؤلفہ آمنہ خاتون) ''میر تقی میر: حیات اور شاعری'' (مؤلفہ خواجہ احمد فاروقی) ''کتاب نورس'' (مصنّفہ ابراہیم عادل شاہ ثانی) ''اردو زبان کا ارتقاء'' (مؤلفہ شوکت سبزواری) ''غالب'' (مؤلفہ غلام رسول مہر) ''روشنائی'' (مؤلفہ سیّد سجاد ظہیر) ''نمرود و خلیل'' (سرودہ صادق بخاری) ''ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ - جلد اوّل'' (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی) ''مثنوی شہر کراچی'' (شبنم رومانی) ''اصولِ تدریس'' (مؤلفہ رائبرن اینڈ فورج، مترجمہ اخلاص حسین)

مولوی صاحب کے تبصروں کے مذکورہ بالا مجموعوں کے مشمولات کی تفصیل سے واضح ہے کہ ان کے تبصروں کا صرف ایک حصہ (اور خاصا وقیع حصہ) مدون ہوا ہے، اور باقی تبصرے رسائل و جرائد، اور بالخصوص ''اُردو'' کی مجلدات میں محفوظ ہیں۔

مولوی صاحب کے اسلوبِ تبصرہ نگاری پر مفصل اظہارِ خیال سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اولین تبصرے — ریویو ہدیۂ ناظر پر — پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ چودھری خوشی محمد ناظر کی نظم کا موضوع ''ہندوستان کے موسم'' تھا۔ مولوی صاحب نے اِس ''بہت عمدہ اور دلچسپ[۱۳]'' نظم پر اپنے اُستاد علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) کے اِس تأثر سے مرعوب ہوئے بغیر قلم اُٹھایا: ''ہندوستان میں مولانا حالی اور پروفیسر آزاد کے سوا کوئی اور شخص اِس سے عمدہ نظم نہیں لکھ سکتا (۱۴)۔'' مولوی صاحب نے نظم کو سرسری طور پر دیکھنے کے بجائے غور و تفحص کے ساتھ دیکھا، اور ''اِس کی خوبی اور نقص کو پورے طور سے، مگر انصاف کے ساتھ ناظرین'' کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی، اور شاعر نہ ہوتے ہوئے بھی شعر فہم ناقد کے طور پر رائے دی۔

مولوی صاحب نے واضح کیا ہے کہ ''ہندوستان میں کرٹی سزم [criticism] کا اس قدر کم رواج ہے، گویا کرٹی سائز [criticise] کرنا لڑائی مول لینا ہے، مگر یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اِسے رواج دیں اور جب تک یہ نہ ہوگا، ہمارا علم [و] ادب عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھنے کے قابل نہ ہوگا[۱۵]۔'' مولوی صاحب نے نظم میں مولانا حالی (م ۱۹۱۴ء) کی سچی تقلید میں اختیار کردہ سادگی کی تعریف کی ہے، اِسی طرح ضرب الامثال کے استعمال اور سائنسی حقائق کی جانب توجہ دلانے پر شاعر کو داد دی ہے۔ نظم کے آغاز میں انقلاباتِ زمانہ کا جو اجمالی نظارہ دکھایا گیا ہے، بالفاظ مولوی صاحب: ''وہ نہایت قابلِ تعریف ہے، گو یہ بہت مختصر ہے، مگر نہایت پُر اثر ہے۔ گویا آنکھوں کے سامنے تصویر کھینچ دی ہے اور زیادہ خوبی کی بات یہ ہے کہ اس سارے سین کا اخلاقی نتیجہ --- دو شعروں میں لکھ دیا ہے۔ جن میں سے پہلا شعر ؎

اتنا ہنگامہ سرسری تو نہیں
اس کی قدرت ہے دل لگی تو نہیں

مولانا نظامی کے اِس شعر کا پورا ترجمہ ہے ۔

مپندار کز بہر بازیٔ کیست
سرا پردۂ ایں چنیں سرسریست (۱۶)

مولوی صاحب کے الفاظ میں :

نہایت خوشی کی بات ہے کہ جس خوبی سے اِس نظم کا آغاز کیا گیا ہے، ویسا ہی اِس کا خاتمہ بھی ہے۔ انسان کی زندگی اور اِس کے تغیرات سے موسموں کی تبدیلیوں کو کامل تشبیہہ ہے۔عہدِ طفلی گویا زندگی کی بہار ہے۔ روز شباب گویا گرمی کے مشابہ ہے۔شباب کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جو بالکل برسات کے مشابہ ہے جس میں وہ جذبات، وہ جوانی کی امنگ، وہ جوش، وہ ولولے بالکل جاتے رہتے ہیں، پھر سردی کا موسم آتا ہے جس میں وہ تمام حرارت سرد ہو جاتی ہے اور آخر میں موسمِ خزاں ہے جو زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور اس پر نظم کا خاتمہ ہوتا ہے۔(۱۷)

نظم کی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ مولوی صاحب نے اِس کے ''بے ربط مصرعوں''، نیز اِس کے ''بالکل غلط'' اور ''بالکل مہمل'' اشعار پر نہ صرف گرفت کی ہے، بلکہ اصلاح بھی دی ہے۔ایک دو مثالیں دیکھیے :

ہوا میں سمّیت کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

زہر میں کچھ بجھی ہوئی ہے ہوا — کیا فرشتوں نے اس میں پھونک دیا

مولوی صاحب کا نقد یہ ہے:''ہوا میں زہر کا بجھا ہونا کیا معنی، اور علاوہ اِس کے دونوں مصرعوں میں کچھ ربط نہیں۔ ہاں! اگر پہلے مصرعہ میں بجائے' کچھ' 'جو' اور دوسرے مصرعہ میں بجائے' کیا' 'کچھ' ہو تو ربط پیدا ہو سکتا ہے۔''(۱۸)

پھولوں کے ذکر میں کہا گیا ہے:

کوئی اس کے عَرق نکالے گا — کوئی گردن میں ہار ڈالے گا

اِس پر مولوی صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے:''اوّل تو لفظ عَرق (را بالجزم) نہیں، بلکہ عَرَق (را بالفتحہ) ہے۔--- دوسرے، گردن میں زنجیر یا طوق ہوتا ہے، ہار کبھی گردن میں نہیں ہوتا۔لفظ گردن یہاں نہایت کریہہ اور ناموزوں ہے، اِس لیے میری دانست میں اگر وہ اس کو اِس طرح لکھتے تو زیادہ مناسب ہوتا:

عَرَق اِس سے کوئی نکالے گا — ہار کوئی گلے میں ڈالے گا(۱۹)

''ہدیۂ ناظر'' کا جائزہ لینے کے بعد مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ:''تصنیف کے دیباچہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظم چھپنے سے پہلے مولوی شبلی اور مولانا حالی کو دکھائی [گئی] تھی۔میں نہیں سمجھتا کہ اِس قدر غلطیاں ان دو لائق بزرگوں کی نظروں سے کیوں کر چھپی رہیں۔'' آخر میں چودھری خوشی محمد ناظر کو مشورہ دیا گیا ہے کہ''ان غلطیوں کو جو حقیقت میں اُنھیں غلطیاں معلوم ہوں، دوسرے ایڈیشن کے چھپنے پر ٹھیک کر دیں گے''(۲۰)، اور ناظرین وقارئین سے تبصرہ نگاری کی توقع ہے کہ وہ''ضرور اِس مؤثر اور دلچسپ نظم کو پڑھ کر شاعر کی قابلیت کی داد دیں گے۔''(۲۱)

۱۸۹۳ء کے مندرجہ بالا تبصرے میں مولوی صاحب نے جو اسلوب اختیار کیا تھا، یہ بعد میں بھی اُن کے تبصروں میں قائم رہا۔خوبیاں اور خامیاں دونوں دکھاتے رہے، اور اگر اِن میں سے ایک کا پلہ بھاری رہا تو اس کے اظہار میں اُنھوں نے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔اُنھوں نے جولائی ۱۹۵۸ء میں ایک مجموعۂ کلام''نمرود وخلیل''(سرودہ صادق بخاری) پر تبصرہ کیا(۲۲) تو اِس پر نواب بہادر یار جنگ (م۱۹۴۴ء) کا دیباچہ انھیں مطمئن نہ کر سکا۔دیباچہ اُن کے بقول''قدیم طرز کی تقریظ کا اچھا نمونہ

ہے جس میں انشاء پردازی کے ساتھ مبالغہ آمیزی کی بھرمار ہے۔'' مولوی صاحب نے آزادانہ طور پر مطالعہ کرتے ہوئے متوازن رائے دی ہے کہ ''اس میں بلند و پست ہر قسم کا کلام ہے،'' نیز ''عام طور پر نظمیں معمولی ہیں اور بعض عامیانہ، لیکن بعض اشعار خوب لکھے گئے ہیں۔''

مولوی صاحب جدید دور کے فرد تھے، اور اُن کے مزاج اور تحریر، ہر دو میں جدّت جھلکتی ہے، مگر ماضی کے شاعروں اور انشاء پردازوں کی خدمات کے معترف تھے، اور اُن کی بے جا مذمت کرنے والوں سے متفق نہ تھے۔ قدیم شاعروں کے حوالے سے اُن کی بہت ٹھکی ہوئی رائے تھی:

> سلاستِ بیان، چستیِ کلام، جدّت، روزمرہ کی بول چال، مضمون آفرینی، بندش کی رنگینی یہ سب پرانے شاعر اپنا حصہ کر گئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ پرانی شاعری ایک تنگ دائرے میں محدود ہے اور اس میں شک نہیں کہ زمانہ کی ضرورت اور مذاق نے انہیں مدح اور ستایش، غزل و قصائد، عشق و محبت کے مضامین کے چکر میں رکھا، مگر جب کبھی انہوں نے اپنے خیالات ظاہر کیے، وہ نہایت تکمیل کے ساتھ اور جو واقعات لکھے، اُن کی تصویر کھینچی، جہاں کہیں انہوں نے نیچرل سین یا انسانی جذبات کا بیان کیا تو وہ بھی اس خوبی سے کہ شاید آج کل کوئی مشکل سے اُن کے پُرزور قلم کا مقابلہ کر سکتا ہے۔--- بجائے اس کے کہ ہم ان شاعروں کی برائی کریں اور اُنہیں کوسیں، ہمیں اُن کا ممنون ہونا چاہیے جو ہمارے واسطے ایک خزانہ چھوڑ گئے ہیں جسے ہماری زبان کا بے بہا سرمایہ سمجھنا چاہیے۔ (۲۳)

مولوی صاحب کے نزدیک شعراء کے کلام کو اُن کے تاریخی اور سماجی تناظر سے ہٹ کر دیکھنے سے خرابی پیدا ہوتی ہے، اُن کے کلام کی قدر و قیمت اُن کے زمانے کے ادبی چلن کو دیکھ کر متعین کی جانا چاہیے۔ ایک جگہ اُنہوں نے اِس جانب یوں توجہ دلائی ہے:

> شاعری کے انقلابات اور تغیرات اپنے زمانے کے انقلابات اور تغیرات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ شعر کو شاعر سے اور اُس کے زمانے سے الگ کر کے دیکھنا ایسا ہے جیسے کسی شخص کو اس کے احباب اور عزیزوں اور اس کے وطن سے جدا کر دینا۔--- جب ہم شعر یا شاعری کی تاریخ لکھنے بیٹھیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم شاعر کی زندگی کے حالات، اس کی طبیعت، اس کے خصائل اور عادات پر غور کی نظر ڈالیں، اور اس کے بعد اس کے عہد کے واقعات و حالات و تغیرات و انقلابات کا ذکر کم سے کم اس حد تک ضرور کریں، جہاں تک کہ ان کا تعلق شاعر اور اس کی شاعری سے ہے، کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شاعر اور اس کی شاعری اپنے عہد کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکے۔ (۲۴)

مولوی صاحب اُردو کے غیر مطبوعہ سرمائے کی طباعت و اشاعت سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، اُنہوں نے خود بھی بعض متون مرتب کیے، اور دوسروں کو بھی اِس کارِ مہم کی جانب توجہ دلائی۔ اِس سلسلے میں وہ ایسی کاوشوں کی بھی پذیرائی کرتے تھے جو تحقیق کے اعلیٰ تر معیاروں پر پوری نہ اترتی تھیں۔ حیدر ابراہیم سایانی نے ''دیوانِ ولی'' شائع کیا تو اُنہوں نے نہ گارساں دتاسی (م ۱۸۷۸ء) کا شائع کردہ ایڈیشن (پیرس: ۱۸۳۳ء) پیشِ نظر رکھا اور نہ ایک دستیاب نسخے کے علاوہ کسی اور نسخے کی تلاش کی۔ اس تساہل اور اِس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کمزوریوں کی، نیز بعض دوسرے تسامحات کی نشان دہی کے باوجود آخر میں یہ رائے دی: ''بہرحال پروفیسر سایانی صاحب کی سعی قابلِ شکر ہے کہ انہوں نے ولی کے دیوان کا ایک نسخہ مرتب کر دیا۔'' (۲۵)

حافظ محمود شیرانی (م ۱۹۴۶ء) نے ''پنجاب میں اُردو'' (اولیں اشاعت: ۱۹۲۸ء) لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ

خطۂ پنجاب اُردو زبان کی جنم بھومی ہے۔مولوی صاحب کو اس نظریے سے سخت اختلاف تھا،اُن کے الفاظ میں ''پنجابی میں جو تھوڑی بہت مشابہت اُردو سے پائی جاتی ہے،وہ اُردو کا اثر ہے نہ کہ پنجابی کا۔اُردو مسلمانوں کی ایک عام زبان ہوگئی تھی اوراِس لیے ہر صوبے کے نامور شاعر اِسی زبان میں شعر کہتے تھے تاکہ ان کے کلام کو زیادہ شہرت اورمقبولیت ہو۔''(۲۶) مولوی صاحب نے حافظ شیرانی کی ساری محنت پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ ''اصل بحث'' میں اُنہیں کچھ کامیابی نہیں ہوئی (۲۷)، البتہ اُنہوں نے شمالی ہند اور پنجاب کے قدیم اُردو لکھنے والوں کا جو کھوج لگایا ہے،وہ ایک نئی چیز ہے۔''پنجاب میں اُردو'' کی اشاعت کے تقریباً پانچ برس کے بعد حافظ محمود شیرانی نے میر قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ ''مجموعۂ نغز'' مرتب کیا تو اُن کی ''احتیاط و اہتمام اور محنت'' کا کھل کر اعتراف کیا اور تذکرے کی تاریخی اہمیت کے حوالے سے تبصرے کا خاتمہ اِن جملوں پر کیا:''غرض کہ قابل مرتب کی محنت و کاوش اورحسنِ ترتیب ہر لحاظ سے قابلِ داد ہے،اور اِس میں شبہ نہیں کہ اِس تذکرے کی اشاعت سے اُردو زبان کی تحقیق و تاریخ میں جس کا شوق اس زمانے میں پیدا ہو چلا ہے،بیش بہا مدد ملے گی۔''(۲۸)

مولوی صاحب کے پاس اُردو کا جو خطی ذخیرہ تھا، یا اس کے حوالے سے اُنہوں نے جو کچھ سہ ماہی ''اُردو'' میں شائع کیا تھا،مختلف کتابوں کے تعارف و تبصرہ میں اِس کا حوالہ بھی دیا ہے اور اگر کسی مصنّف نے اُن کی ذاتی تحریروں (یا اُن کی شائع کردہ تحریروں) سے استفادہ کیا،مگر اِس کا اظہار نہ کیا تو اِس پر گرفت کی ہے۔محی الدین قادری زورؔ کی تالیفات ''روحِ تنقید'' اور ''اُردو شہ پارے'' پر تبصروں میں ایک حد تک معاندانہ چشمک کا احساس بھی ہوتا ہے، تاہم ''اردو شہ پارے'' کے تبصرے میں اُنہوں نے لکھا ہے:

> میں اِس بات کا اظہار افسوس کے ساتھ کرتا ہوں کہ اگرچہ قابل مؤلف نے رسالہ ''اُردو'' کی تحریروں سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے اور بعض مصنفین اور تصانیف کی معلومات صرف اسی رسالہ کی بدولت حاصل ہوئی ہیں،لیکن اس کی طرف انہوں نے اس طرح اچٹتے ہوئے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اِس سے قبل یا اِس سے الگ ان تصانیف کا مطالعہ فرما چکے ہیں، حالانکہ میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم کی اکثر تصانیف، مجری، شوقی، ذوقی، میراں جی خدا نما کے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا ہے، اس کا ماخذ صرف رسالہ ''اُردو'' ہے۔(۲۹)

ڈاکٹر گریہم بیلی کی تالیف *Urdu Literature* پر تبصرے میں مذکورہ بالا لے کچھ زیادہ تیز ہوگئی ہے:

> ابتدائی اُردو کے ابواب کے ماخذ زیادہ تر ''پنجاب میں اُردو''، ''اُردوے قدیم''، ''اُردو شہ پارے'' اور رسالہ ''اُردو'' کے وہ مضامین ہیں جو اس رسالہ میں ابتدائی اُردو کے متعلق وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں،لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے قابلِ قدر شاگرد (مؤلف ''شہ پارے'') کی طرح، بقول ایک نقاد کے رسالہ ''اُردو'' کے مضامین کے حوالے دینے کی قسم کھا رکھی ہے۔''(۳۰)

نیز ''تحسین کی ''نوطرزِ مرصع''، میر امن کی ''باغ و بہار'' اور امیر خسرو کی ''چہار درویش'' کے متعلق جدید معلومات۔--- راقم کے مقدمہ ''باغ و بہار'' [کی] رہینِ منت'' ہیں۔(۳۱) مزید چند کتابوں کی نشان دہی کرتے ہوئے محی الدین قادری زورؔ اور گریہم بیلی دونوں پر گرفت کی ہے۔

مولوی صاحب کبھی کبھار تبصروں میں ہلکے پھلکے مزاح اور ظرافت سے بھی کام لیتے ہیں۔رشید احمد صدیقی کی ''زبانِ اُردو پر سرسری نظر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں چٹکی لی ہے:

> صدیقی صاحب مُردوں سے بہت بے باک ہیں،لیکن زندوں سے ڈرتے ہیں۔انہوں نے ہر زندہ انشاء

پرداز کی جو ذرا سی بھی شہرت رکھتا ہے یا مقبول ہے، خوب تعریف کی ہے اور اگر کہیں کسی کے متعلق ہلکا سا دَبی زبان سے کوئی جملہ کہہ بھی دیا ہے تو جھٹ اس کی پیٹھ بھی تھپک دی ہے کہ وہ چیں بہ جبیں نہ ہونے پائے۔ میں اِس کی داد دیتا ہوں کہ کوئی ایسا نہیں چھوٹنے پایا جس سے ذرا بھی اندیشہ ہوسکتا ہے۔(۳۲)

مولوی صاحب کی دقتِ نظر تھی کہ وہ کتاب کی مابہ الامتیاز خصوصیت تک پہنچ جاتے تھے، اور اس کا اظہار نہایت مناسب انداز میں کر دیتے تھے۔ عبدالسلام ندوی (م ۱۹۵۶ء) کی ''شعرالہند'' کے وہ کچھ زیادہ معترف نہیں تھے، اس پر اُنہیں متعدد اعتراضات تھے، مگر وہ یہ لکھے بغیر نہ رہ سکے: ''فاضل مؤلف نے اردو شاعری کے دو مختلف اسکول دلّی اور لکھنؤ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ اِس تفصیل سے اب تک کسی تذکرہ نویس یا مؤلف نے بحث نہیں کی تھی۔''(۳۳) اس کے بعد مولانا عبدالسلام ندوی کی رائے کا خلاصہ ایک صفحے میں دیا ہے۔ مولانا ندوی کی یہ دبستانی تقسیم کس حد تک سائنٹیفک ہے؟ اس سے قطع نظر اِسے مقبولیت حاصل ہوئی اور جامعات میں دہلی اور لکھنؤ کے دبستان ہائے شاعری پر تحقیقی مقالات لکھے گئے ہیں، بلکہ اِس کے آگے بڑھ کر ناقدین نے دوسرے بڑے ادبی مراکز کے حوالے سے ''دبستان'' بنالیے ہیں۔

مولوی صاحب کے تبصروں کی تعداد، اور موضوعات کے تنوع کو دیکھتے ہوئے بلا شائبۂ تردید کہا جاسکتا ہے کہ وہ اُردو کے دو چار تبصرہ نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے تبصرہ نگاری کو بہت سنجیدگی سے لیا، اور پھر کتاب کی قدر و قیمت کے تعین میں دقتِ نظر سے کام لیا۔ بحیثیتِ مجموعی نہ تقریظات لکھیں، اور نہ رد، البتہ اردو ادب کی تاریخ، اسلوب اور زبان و بیان کے حوالے سے اُن کی اپنی آراء ہیں، اور حقِ اختلاف استعمال کرتے ہوئے اِن کا اظہار کیا ہے۔ ایک عرصے سے ہم سن رہے ہیں کہ مولوی صاحب کی جملہ تحریروں کی ترتیب و تدوین انجمن ترقی اُردو پاکستان کے پروگرام میں شامل ہے، اور اس سلسلے میں مولوی صاحب کے تمام تبصرے بھی مرتب صورت میں شائع ہوں گے۔ مولوی صاحب کی رحلت کو کم و بیش نصف صدی ہونے کو آئی ہے، اب تو یہ کام ہو ہی جانا چاہیے!

حواشی

۱۔ دیکھیے: ابن حسن قیصر، زاہدہ خاتون، اشاریہ عبدالحق، ''قومی زبان'' (کراچی)، اگست ۱۹۶۳ء، صفحات ۲۶۷-۳۵۱۔ تبصروں کے شمار کے لیے سیّد جاوید اقبال کے اعداد و شمار پر انحصار کیا گیا ہے۔ ''بابائے اُردو کے غیر مدون تبصرے'' حیدرآباد [سندھ]: قصرالادب، ۱۹۹۵ء، ص۹

۲۔ بعد میں یہ مضمون عثمانیہ کالج -اورنگ آباد (جس کے مولوی عبدالحق پرنسپل تھے) کے میگزین ''نورس'' میں مکرّر شائع ہوا (۱۹۳۲ء)۔ جناب تحسین سروری نے ''نورس'' کے حوالے سے اِسے متعارف کرایا ہے۔ دیکھیے: ہم قلم (کراچی)، عبدالحق نمبر، اگست ۱۹۶۲ء، صفحات ۷۰-۷۲

۳۔ شہاب الدین ثاقب، ''بابائے اُردو مولوی عبدالحق؛ حیات اور علمی خدمات''، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۸۵ء، ص۲۴

۴۔ یہ تبصرہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (علی گڑھ) بابت یکم اگست ۱۸۹۳ء میں ''ریویو ہدیۂ ناظر پر'' کے زیرعنوان شائع ہوا تھا۔ تبصرے کے متن کے لیے دیکھیے: شہاب الدین ثاقب، حوالہ مذکورہ (حاشیہ ۳) صفحات ۲۲۷-۲۴۰

۵۔ تحسین سروری نے لکھا ہے: ''میرے پیشِ نظر ستمبر ۱۸۹۷ء کا شمارہ ہے جس پر جلد (۱) نمبر (۶) درج ہے جس کی رُو سے ''افسر'' کا اپریل ۱۸۹۷ء میں جاری ہونا صحیح ہے۔'' مولوی عبدالحق اور رسالہ ''افسر''، ''قومی زبان'' (کراچی)، بابائے اُردو نمبر (۱۹۶۶ء)،

حاشیہ ص ۱۷۰

۶۔ ان کتابوں پر مولوی عبدالحق کے تبصرے تو ہمارے پیشِ نظر نہیں، تاہم مولانا الطاف حسین حالی نے ان تبصروں پر جن خیالات کا اظہار کیا، وہ مولوی صاحب کے نام اُن کے مکتوبات سے ظاہر ہیں۔ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی (م ۱۹۷۲ء) نے اپنی ایک تحریر ''رسالہ ''افسر'' اور مولانا حالی'' میں مولانا حالی کے خطوط درج کیے ہیں۔ (''قومی زبان''، ستمبر ۱۹۶۸ء، صفحات ۸۳-۸۵؛ مکرر اشاعت: شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی''کلیات نثر حالی''، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء، صفحات ۳۳۱-۳۳۵) شیخ عبدالقادر کی کاوش پر مولانا حالی نے یہ رائے دی تھی:

شیخ عبدالقادر صاحب تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں میں ایک ممتاز شخص ہیں اور میرے دوست ہیں۔ ان کو نہ صرف انگلش لٹریچر سے بلکہ اُردو لٹریچر سے بھی ایک خاص مناسبت ہے، اور اِس کا ثبوت یہی اسے [essay] ہے جو انھوں نے جدید اُردو لٹریچر کے مصنفین پر لکھا ہے، اور اس باب میں شمال مغربی اضلاع کے لوگوں پر جو کہ اپنے تئیں اُردو زبان کا مالک سمجھتے ہیں، اپنی فوقیت ثابت کر دی ہے، کیوں کہ آج تک دلی سے لکھنؤ تک کسی شخص نے [بھی] اِس مضمون پر قلم نہیں اٹھایا۔

رہی یہ بات کہ بعض جزئیات میں آپ نے اُن سے اختلاف کیا ہے۔ سو یہ اپنا اپنا مذاق اور اپنا اپنا ٹیسٹ [taste] ہے۔ مجھے بھی اُن کی رائے سے کسی قدر اختلاف ہے، نہ اِس نظر سے کہ اُن کی رائے میری نثر کی نسبت اچھی نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر اس وجہ سے کہ اُردو لٹریچر کے ہیروز کا انتخاب جو اُنھوں نے کیا ہے وہ نہ جامع ہے اور نہ مانع۔

غالباً مولوی عبدالحق نے شیخ عبدالقادر کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مولانا حالی کی نثر کی تعریف کی ہوگی (جیسا کہ مولوی صاحب سر سیّد مکتبِ فکر کے ترجمان تھے)، اِس حوالے سے مولانا حالی نے ایک مرنجاں مرنج بزرگ کے طور پر، نہایت پتے کی بات کہی:

میں آپ کے ریمارکس کا جو آپ نے میری نثر کی نسبت کیے ہیں، دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، مگر سچ یہ ہے کہ ہماری اور ہمارے ہم عصروں کی نظم و نثر پر صحیح رائیں اُس وقت تک جب تک کہ ہم اور ہمارے طرف دار یا ہمارے مخالف دُنیا میں موجود ہیں، قائم نہیں ہو سکتیں، مگر خود ہم میں سے کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ اس کے اسٹائل میں کون سی ایسی خوبی ہے جس کی وجہ سے وہ اُس کو اوروں کی طرز پر ترجیح دے سکتا ہے۔

می گریم و از گریہ چو طفلم خبرے نیست
در دل ہوسے ہست و ندانم کہ کدام است

''حیاتِ جاوید'' پر تبصرہ پڑھ کر مولانا حالی نے مولوی صاحب کو لکھا:

مئی اور جون [۱۹۰۱ء] کا افسر پہنچا۔ [اِس میں] ''حیاتِ جاوید'' پر آپ کا ریویو دیکھا۔ جو کلمات بہ تقاضائے محبت تصنیف اور مصنّف کے حق میں بے اختیار آپ کے قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔ اگرچہ میں اپنے تئیں اس کا مستحق نہیں سمجھتا، لیکن بہر حال آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض جانتا ہوں۔ یہ وہی خصلت ہے جس کو اہلِ ایران یار فروشی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور ہماری زبان میں چھڑک چھڑک کر بیچنا کہتے ہیں۔--- ''حیاتِ جاوید'' پر آپ کے ریویو کی تعریف کرنی مجھ کو زیبا نہیں ہے، ورنہ مثل وہی ہوگی: من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔

۷۔ اوّلیں اشاعت ــــ حیدر آباد [دکن]: شمس الاسلام پریس، ۱۹۳۴ء

اس کی دو بدونِ تاریخ اشاعتوں کی تفصیل یہ ہے: ● حیدر آباد دکن: کتب خانہ عزیزیہ؛ ● حیدر آباد دکن: عزیز احمد منشی فاضل

لاہور: ایسٹرن بُک سٹال، ۱۹۴۵ء، صفحات ۱۵۲ (مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس - لاہور- ناشر نے اِسے ''طبع چہارم'' قرار دیا ہے۔)

۸۔ سیّد جاوید اقبال نے مولوی صاحب کے تبصروں کے مجموعوں کی ترتیبِ اشاعت کے بارے میں لکھا ہے:

مولوی صاحب کے تبصروں پر مشتمل تین مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ ۱) ''چند تنقیداتِ عبدالحق''، دہلی؛ انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۳۹ء، ۲) ''تنقیداتِ عبدالحق''، مرتبہ محمد تراب علی خان بازؔ، لاہور: عالم گیر الیکٹرک پریس، ۱۹۴۰ء [کذا: ۱۹۴۵ء]، ۳) ''ادبی تبصرے''، لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۴۷ء (اُردو تبصرہ نگاری کے ارتقاء میں سرسیّد اور اُن کے رفقاء کا حصہ، ''الزبیر''، شمارہ ۲، ۱۹۹۵ء، صفحات ۳۹-۴۰، حاشیہ ۱۲)

بعد ازاں سیّد جاوید اقبال نے جب اپنی مرتبہ کتاب ''بابائے اُردو کے غیر مدون تبصرے'' کا مقدمہ لکھا تو مجموعوں کی مذکورہ بالا غلط ترتیب اشاعت ہی کے تحت یہ لکھا:

اِس کتاب [''چند تنقیداتِ عبدالحق''] میں مولوی عبدالحق کے دس تبصرے شامل کیے گئے اور یوں اُردو ادب میں پہلی مرتبہ کسی کے تبصرے یک جا کر کے شائع کیے گئے۔--- یہ کتاب ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۳ء تک کیے گئے تبصروں کا انتخاب ہے۔ ان تبصروں کی افادیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے محمد تراب علی خاں بازؔ نے ۱۹۲۱ء-۱۹۴۲ء تک کے تبصروں کا انتخاب ''تنقیداتِ عبدالحق'' کے نام سے طبع کرایا۔ اِس مجموعے میں تیئیس تبصرے شامل کیے گئے جب کہ دس تبصرے وہی ہیں جو گزشتہ مجموعے میں تھے۔ (صفحات ۹-۱۰)

واللہ اعلم اُنہیں یہ غلط فہمی کیسے ہوئی کہ ''تنقیداتِ عبدالحق'' میں ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۲ء کے تبصروں کا انتخاب ہے۔ جب کہ اِس کے دیباچے ''سنتِ دیرینہ'' میں واشگاف الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ اس میں ''۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۳ء تک شائع شدہ اُردو کی اہم کتابوں کی تنقیدیں--- آ گئی ہیں۔'' (''تنقیداتِ عبدالحق''، لاہور: ایسٹرن بُک سٹال، ۱۹۴۵ء، ص ۴۔ یہی اشاعت سیّد جاوید اقبال کے بھی پیشِ نظر رہی ہے۔)

۹۔ گُلِ قاسم جان- دہلی: مکتبہ چنگاری، جولائی ۱۹۵۶ء، ۱۵۹ صفحات

۱۰۔ ''تنقیداتِ عبدالحق'' (ڈاکٹر عبدالحق سیکرٹری انجمن ترقی اُردو کے مقالات کا مجموعہ)، دہلی: ۱۹۵۶ء، ص ۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۳

۱۲۔ سیّد جاوید اقبال نے اپنے پیش رووں سے آگے بڑھ کر ''بابائے اُردو کے غیر مدون تبصرے'' میں شامل ہر ایک تبصرے کے آخر میں سہ ماہی ''اُردو'' کے متعلقہ شمارے کا حوالہ درج کیا ہے، جس میں پہلی بار تبصرہ شائع ہوا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر (م ۱۹۷۱ء) کی تالیف ''غالب'' پر تبصرے کی اوّلیں اشاعت کا حوالہ سہ ماہی ''اُردو'' بابت اپریل، جولائی ۱۹۵۷ء درج کیا گیا ہے، حالانکہ یہ تبصرہ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے شمارے میں چھپا تھا۔

اِس معمولی فروگزاشت سے قطع نظر ''غیر مدون تبصرے'' کے بارے میں مشفق خواجہ (م ۲۰۰۵ء) نے ایک خط میں لکھا ہے:

''آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اِس کتاب میں کئی ایسے تبصرے شامل ہیں جو بابائے اُردو کے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ میں نے ایسے تبصروں کی نشان دہی کی ہے اور مرتب کو خط لکھا ہے کہ وہ اِس غلطی کے ازالے کی کوئی صورت نکالیں۔'' (بنام سفیر اختر، مرقومہ ۲۵ مارچ ۱۹۹۷ء)

۱۳۔ ''ریویو ہدیۂ ناظرین'' کے ضمن میں بعض ترکیبات اور مختصر جملوں کو '' '' میں درج کیا گیا ہے، یہ سبھی جملے اور ترکیبات مولوی صاحب نے تبصرے میں استعمال کی ہیں۔ ان کی الگ الگ نشان دہی کے لیے حوالہ درج کرنا کچھ زیادہ سودمند نہیں، اِس لیے حذف کر رہا ہوں۔

۱۴۔ شہاب الدین ثاقب، حوالہ مذکورہ (حاشیہ۳) ص ۲۲۷

۱۵۔ ایضاً ص ۲۳۰

۱۶۔ ایضاً، صفحات ۲۳۰-۲۳۱

۱۷۔ ایضاً ص ۲۳۶

۱۸۔ ایضاً، صفحات ۲۳۲-۲۳۳

۱۹۔ ایضاً ص ۲۳۸

۲۰۔ مذکورہ نظم کا کوئی دوسرا ایڈیشن شائع ہوا یا نہیں؟ نیز چودھری خوشی محمد ناظر نے مولوی حاحب کے مشورے پر توجہ دی یا نہیں؟ اس بارے میں حتمی طور پر تو کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ چودھری صاحب کے مجموعۂ کلام ''نغمۂ فردوس'' میں غالباً ''عہد طالب علمی کی اس یادگار'' نظم کے کچھ اجزاء ''چہار موسم'' کے زیرعنوان درج کیے گئے ہیں (''نغمۂ فردوسف''، حصہ دوم، مرتبہ محمد عبداللہ کامل، لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، ۱۹۳۸ء، صفحات ۱۵۱-۱۶۰)۔ نظم کے اس انتخاب میں کوئی ایسا شعر نہیں لیا گیا جس پر مولوی صاحب نے نقد کیا ہے۔

۲۱۔ شہاب الدین ثاقب، حوالہ مذکورہ، ص ۲۴۰

۲۲۔ تبصرے کے لیے دیکھیے: سیّد جاوید اقبال، حوالہ مذکورہ، صفحات ۹۳-۹۹

۲۳۔ ''ریویو ہدیۂ ناظر پر''، شہاب الدین ثاقب، حوالہ مذکورہ (حاشیہ۳)، صفحات ۲۲۸-۲۲۹

۲۴۔ محمد تراب علی خاں باز، ''نوادرات''، لاہور: ایسٹرن بک سٹال، ۱۹۴۵ء، ص ۷۵

۲۵۔ ایضاً ص ۸

۲۶۔ ایضاً ص ۱۱۴

۲۷۔ ایضاً ص ۱۱۵

۲۸۔ ایضاً ص ۱۵۲

۲۹۔ ایضاً ص ۹۶

۳۰۔ ایضاً صفحات ۱۳۱-۱۳۲

۳۱۔ ایضاً ص ۱۳۳

۳۲۔ ایضاً ص ۴۴

۳۳۔ ایضاً ص ۸۰